AL-ILM Journal

Volume 5, Issue 2

ISSN (Print): 2618-1134
ISSN (Electronic): 2618-1142

Issue: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/
URL: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/

Title Riyasti Amoor Main Mushawarat ki Ahmiyat: Ahd-e-Nabwi ka Mutlaya

Author (s): Dr. Nabeela Falak

Received on: 15 June, 2020
Accepted on: 17 Arpil, 2021

Published on: 10 October, 2021
Citation: English Names of Authors, "Riyasti Amoor Main Mushawarat ki Ahmiyat: Ahd-e-Nabwi ka Mutlaya", AL-ILM 5 no 2 (2021):165-175
Publisher: Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot

ریاستی امور میں مشاورت کی اہمیت: عہد نبوی ﷺ کا مطالعہ

ڈاکٹر نبیلہ فلک*

Abstract

This research paper aims describing the importance of advice in the matters of a State, with the examples from the period of Holy Prophet ﷺ. This paper is qualitative in nature and textual analysis of teaching and practice of Holy Prophet about Advice in the state's matters. Advice (conference) is a basic and important principle to run the government matters .Advice means to seek advice from the enlightened lot in state which possesses knowledge and wisdom. Advisory system and conference is very important principle of Islamic politics. The height and glory of political system of Islam is impossible without advisory system. The Prophet Muhammad ﷺ was in the direct guidance of Allah Almighty, in spite of that He has done many collective matters with the advice of His companions. The Prophet ﷺ because of His executive and special position was not bound to the collective and majority opinion. This principle is seen in abundance in the period of Prophet ﷺ and in the period of four Caliphs. We can see in the history the advisory councils and difference of opinion of their era.

Key word: State matters, conference, advice, importance, Prophet Era.

موضوع کا تعارف:

اسلام کے سیاسی قوانین کے مطابق صرف وہی حکومت باضابطہ ہے جو ریاست کے مسلمان شہریوں کے مشورے سے قائم ہوئی ہو۔ یہ اصول ایک اسلامی حکومت کو دیگر حکومتوں سے ممتاز و منفرد کرتا ہے۔ مشاورت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھ پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں حکمران، امت کے اہلِ حل و عقد سے مشورہ کرے تاکہ بحث و تمحیص کے بعد ان امور تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے جو ریاست و امت کے لئے بہتر ہو۔ سلام کے نظام سیاست کی یہ خوبی ہے کہ اس نے مشاورت کا اصول دیا، تاکہ حکمران رعایا کے مشورے سے سارے ملکی معاملات چلائے اور وہ مطلق العنان، ظالم، آمر و ڈکٹیٹر نہ بنے گویا اصولِ مشاورت کسی بھی حکمران کو خالصتاً اپنی من مانی سے حکومت کرنے سے روکتا ہے اور مشورہ کے ساتھ حکومت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے لفظ شوریٰ کا استعمال ہوا ہے اور اس اصول کو بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے، سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے: وامرھم شوریٰ بینھم۔[1] اور ان کا نظام باہمی مشورے سے چلتا ہے۔ یہ آیت ریاست کے سارے معاملات، حکمرانوں کا انتخاب، ان کی معزولی، داخلی و خارجی حکمتِ عملی، ہر نوعیت کی قانون سازی اور انھی

*: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس

معاملات کے لئے دین کی منشا کی تعین و تشریح، غرض تمام اجتماعی امور انجام دینے کے لئے بنیادی امور متعین کرتی ہے۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کے اسلوب سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہیں اور اس میں کسی بھی شخص کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں، اور اگر سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر اکثریت کی رائے فیصلہ کن ہو گی۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ:

ریاستی امور میں مشاورت کی اہمیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت در پیش مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ حل اس وقت تک پائیدار نہیں ہو تا جب تک کسی مسئلہ میں عوام الناس سے مشاورت نہ کی جائے۔ ریاستی امور میں مشاورت کی مثالیں عہد نبوی میں کثرت سے ملتی ہیں۔ مشاورت سے متعلق کتب حدیث و سیرت میں روایات درج کی گئی ہیں اور مشاورت کے موضوع پر اردو میں چند کتب اور دو تین مقالہ جات بھی لکھے جا چکے ہیں، لیکن ریاستی امور میں مشاورت کی اہمیت اور عہد نبوی کی نظائر اور تعلیماتِ سیرت کو یکجا طور پر اس انداز میں پیش نہیں کیا گیا، جس طرح مقالہ ہذا میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلامی ریاست میں مشاورت کی اہمیت:

دینی و دنیاوی معاملات میں مشورے کا حکم ہے، یعنی ان میں سے کوئی ایک بھی مشترکہ امور میں سے کسی امر میں اپنی آزاد رائے پر نہیں چل سکتا اور ایسا ان کی اجتماعیت کے ایک شعبے، ان کی باہمی الفت، محبت اور ہم آہنگی سے ہو تا ہے کہ فکر و رائے کے محتاج اعمال کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے جمع ہوتے ہیں، مشاورت کرتے ہیں، بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ جب مصلحت ان پر واضح ہو جاتی ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اس کے مطابق اقدام کرتے ہیں۔ یہ غزوہ جہاد، امارت قضاء وغیرہ کے حاملین کو متعین کرنے جیسے معاملات کے سلسلے میں ہو تا ہے۔

علماء کے مطابق شوریٰ کو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان ذکر کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نماز و زکوٰۃ ترک کر دینا درست نہیں اسی طرح باہمی مشورے کرنے کو چھوڑ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ گویا قیامِ شوریٰ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہی کی طرح واجب و ضروری ہے۔

مشورے کے اصول کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کا بھی اسے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"(2)

(اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے)۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں اسلامی ریاست کے حکمران کے لئے ایک پورا ضابطہ اخلاق دے دیا ہے کہ نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے، ایک حکمران کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی و شفقت کا معاملہ کرے، ان کی غلطیوں سے درگزر کرے اور امورِ سلطنت میں عوام سے مشورہ ضرور کرے۔ کیوں کہ خود حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس آیتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے تمام بڑے اور اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں کام فرماتے تھے۔ اس کے باوجود پسند یہی کیا گیا کہ اجتماعی معاملات کو صحابہ کے مشورے ہی سے انجام دیا جائے البتہ آپ ﷺ اپنی خصوصی حیثیت کی وجہ سے ان کی رائے کے پابند نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے اس کے باوجود ہدایتِ الٰہی پر پوری شان کے ساتھ عمل کیا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں پایا"۔[3]

یہ اصول نہ صرف سنتِ رسول میں پوری طرح کارفرما نظر آتا ہے بلکہ خلفائے راشدین نے بھی اس کو جاری رکھا۔ آج بھی ہم تاریخ میں اس دور کی مجالسِ مشاورت اور اس میں کئے گیے اتفاق و اختلاف کو واضح طور سے دیکھ سکتے ہیں۔

اصحابِ مشورہ

قرآنِ کریم کی یہ آیت "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"، جہاں اسلامی ریاست کا بنیادی اصول دیتی ہے وہیں اس بات کی طرف بھی راہنمائی کرتی ہے کہ اصحاب مشورہ کون لوگ ہیں، اگر اس آیتِ مبارکہ پر غور کیا جائے تو اس میں باہمی مشورے کے الفاظ کا استعمال ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مشورہ صرف اہلِ ایمان سے کیا جائے اور اہلِ ایمان کے زمرے میں صرف وہی لوگ شمار ہوں گے، جو سورہ توبہ میں بیان کی گئی شرائط پر پورہ اترتے ہوں۔

سورہ توبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، تو وہ تمہار دینی بھائی ہیں"[4]

یہ آیت مبارکہ اہل ایمان کے بارے میں بیان کرتی ہے:

1. پہلی شرط کہ وہ تائب ہو جائیں، اسلامی تعلیمات سے روگردانی اور اسلام مخالفت کا رویہ چھوڑ دیں، اسلامی نظام کی اطاعت قبول کرلیں۔

2. دوسری شرط یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرنے لگیں۔
3. تیسری شرط یہ ہے کہ وہ حکومت کو زکوۃ ادا کرنے لگیں۔

جو شخص یہ تینوں شرائط پوری کرتا ہے، وہ اہل ایمان ہے اور اس سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔

مشاورت کا طریقہ کار:

ہر معاملے میں تمام اہلِ ایمان سے مشورہ لینا عملاً ممکن نہیں ہوتا، ایسی صورتحال میں اس کے متبادل راستہ اختیار کرنا کہ امت کے مختلف طبقات کے نمائندہ افراد سے مشورہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس کی مثال ہمیں نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ملتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

"مسلمانوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی، پس تم جاو اور اپنے لیڈروں کو بھیجو تاکہ وہ تمہاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں"۔[5]

عہد نبوی ﷺ میں مشاورت کی نظائر:

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے منصب رسالت پر فائز ہوئے اور مبلغ اسلام ہونے کی حیثیت سے اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کی ذمہ داری آپؐ پر تھی وہ تمام امور و معاملات جن کے متعلق وحی الٰہی نازل نہیں ہوئی تھی آپ ﷺ اللہ کے حکم "شاورھم فی الامر" پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں سے مشورہ طلب فرماتے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

ابنِ اثیرؒ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ موقع و محل کی مناسبت اور معاملہ کی نوعیت کے اعتبار سے شوریٰ کا خاص طرز عمل اختیار فرماتے۔ مکہ میں زیادہ تر معاملات اجتماعی نوعیت کے نہیں تھے تو آپؐ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔ جیسا کہ ان سے صلاح و مشورہ کے بعد کچھ صحابہؓ کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی اور اپنی ہجرت پر وحی الٰہی کا انتظار کرتے اور پھر جب اللہ تعالی کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا تو آپؐ نے سفر کی تفصیلات طے کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ سے مشاورت فرمائی"۔[(6)]

آپؐ رازداری اور جنگ و امن کے معاملات میں خاص خاص اصحاب سے مشورہ طلب فرماتے تھے جیسے غزوہ بدر کے موقع پر آپؐ نے فرمایا:

"اشیروعلیی ایھا الناس"۔(7)

جب آپؐ کو اطلاع ملی کہ کفار مکہ حملے کی نیت سے مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ سے مشورہ کیا، صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ إِيَّانَا تُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا"(8)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا اس وقت جب ابو سفیان کا پیغام موصول ہوا ابو بکر صدیقؓ اٹھے انہوں نے عمدہ بات کہی، پھر عمرؓ اٹھے انہوں نے بھی نہایت عمدہ بات کہی، آپؐ نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دی پھر جب سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا آپؐ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم سمندر میں کود جائیں تو ہم کود جائیں گے اور اگر آپ ہمیں برک عمّاد تک لے جائیں تو بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلیں گے۔)

حضرت سعدؓ کی بات سن کر آپؐ خوش ہو گئے تھے کیونکہ حضرت سعدؓ انصار میں سے تھے آپؐ انصار میں سے تائید ومشورہ کا انتظار فرما رہے تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضر عمر فاروقؓ کی رائے پر عمل کیا اگرچہ بعد میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی، صحیح مسلم میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بكر و عمر ما تريدون في هولاء الاسارى. فقال ابو بكر يا نبي الله هم بنو عم والعشيرة ارى ان تاخذ منهم فدية فتنكون لنا قوة على الكفار فعسى الله ان يهديهم للاسلام: فقال رسول الله ما ترى يا ابن لخطاب؟ قال قلت: لا والله يا رسول الله ما أرى الذى رأى ابو بكر، ولكني أرى ان تمكنا فتضرب اعناقهم، فتمكن عليا من عقيل فيضرب عنقه، وتمكني من فلان ينسيا لعمر فاضرب عنقه۔ قال هولاء آئمه الكفر وصناديدها فهوى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قال ابو بكر ولم يهو ما قلت۔"(9)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر اور عمر سے دریافت کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔؟ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: یا رسول اللہ یہ لوگ ہمارے رشتہ دار ہیں، چچا کی اولادیں اور قبیلہ کے افراد ہیں، میری یہ رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں، اس سے ہمیں کفار کے مقابلے میں قوت حاصل ہو گی اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائے۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا

،اے ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں خدا کی قسم اے اللہ کے رسول ؐ میری وہ رائے نہیں جو ابو بکرؓ کی ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انھیں ہمارے قبضہ میں دے دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑادیں۔ عقیلؓ کو علیؓ کے قبضہ میں فلاں شخص کو میرے قبضے میں دے دیں تاکہ میں اس کی گردن اڑادوں۔ کیونکہ یہ سب کفر کے سردار ہیں اور اس کے سرغنے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا جو میں کہا تھا اسے پسند نہیں فرمایا)۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں مشورہ عام کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جو غزوہ احد سے چند دن پہلے کا ہے جب کفار مکہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کی طرف چڑھ دوڑے تھے، تو اس بارے میں دو تدبیریں پیش کی گئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان کو روکیں یا پھر شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جائے نوجوانوں کی اکثریت کی یہ رائے تھی کہ کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے تو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کی رائے پر حتمی فیصلہ دے دیا۔(10)

غزوہ خندق کے موقع پر قبیلہ غطفان کے سرداروں سے اور اکابر انصار سے مشورہ فرمایا۔

ہجرت مدینہ کے چھ سال بعد جب زیارۃ کعبہ کا ارادہ کیا اس موقع پر آپؐ نے تمام مسلمانوں سے رائے لی فرمایا:

"أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ۔"(11)

(اے لوگو مجھے مشورہ دو۔)

حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حضرت عثمان کو سفیر کی حیثیت سے روانہ کیا تاکہ کفار مکہ سے گفت وشنید کریں، اس دوران حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیلائی گئی اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تمام صحابہ سے قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر استصواب رائے قائم کیا اور سب نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپؐ کے فیصلے کی توثیق کی اور اپنی وفاداری کا اظہار کیا:

"اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا"(12)

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے واقعہ افک کے بارے میں بھی اہل مدینہ سے مشورہ طلب کیا، فرمایا:

"ما تشیرون علی فی قوم یسبون اهلی"۔13

میرے گھر والوں پہ انگشت نمائی کرنے والوں کے متعلق تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو۔

مدینہ کے شہری نظم ونسق کے لیے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مہاجرین اور انصار کے نمائندہ اصحاب سے مشورہ فرماتے تھے، ان میں زیادہ تر وہ اصحاب تھے جن کی تحریک اسلامی میں نمایاں خدمات تھیں جو علم وتقویٰ اور مکارم اخلاق کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھ، تفقہ فی الدین، انتظامی تجربہ اور بصیرت کی صلاحیت رکھتے تھے، ان اصحاب میں

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سالمؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، وغیر ھم شامل تھے۔ حضور ﷺ کے بعد آنے والے خلفاء و آئمہ بھی ہر اہم معاملے میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

"کانت الآئمه بعد نبی ﷺ یستبشرون الامناء من اهل العلم فی الامور المباحثه لیا خذوا باسهلها"۔[14]

(نبی اکرم ﷺ کے بعد آنے والے آئمہ وخلفاء اہل علم، امانت دار لوگوں سے مباح امور میں مشاورت کیا کرتے تھے تاکہ آسان کام کو اختیار کیا جاسکے۔)

خلفائے راشدین مجالسِ شوریٰ کے اجلاس بلایا کرتے تھے امام ابو یوسف نے حضرت عمرِ فاروقؓ رضی اللہ عنہ کے زمانے کی ایک مجلسِ شوریٰ کے بارے میں لکھا ہے:

"لوگوں نے کہا: تو پھر آپ باقاعدہ مشورہ کیجئے، اس پر آپ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو ان کی آراء میں بھی اختلاف تھا، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان کے حقوق انھی میں تقسیم کر دینے چاہئیں، اور حضرت عثمان، علی، طلحہ اور ابنِ عمر رضوان اللہ علیہم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متفق تھے، پھر آپ نے انصار میں سے دس افراد کو بلایا: پانچ اوس کے اکابر افراد میں سے اور پانچ خزرج کے اشراف میں سے"۔[15]

عہدِ رسالت میں حکمران اور عوام کے تعلقات کی نوعیت جبر واستبداد یا آمریت کے نظام سے مکمل مختلف تھی۔ جس طرح ریاست کے باشندوں پر اطاعتِ رسول ﷺ واجب تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی اور تعاون ہر فرد پر لازم تھا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی لازم تھا کہ ہمہ وقت اسلامی ریاست کے افراد کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم رہیں۔ ان کی شکایات ومسائل کو رفع کریں۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو اسے مطمئن کریں۔ سیرتِ مطہرہ سے اس کی متعدد امثلہ دیکھی جاسکتی ہیں۔

عہد نامہ حدیبیہ ۶ ہجری کے موقع پر صحابہ کرام کی بے چینی خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بے باکانہ سوال کرنا اور آپ ﷺ کا حضرت عمر کو مطمئن کرنا۔[16]

اسی طرح عزوہ حنین کے بعد تقسیمِ مالِ غنیمت کے حوالے سے کچھ انصاری صحابہ کو شکایات پیدا ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے پیدا ہونے والی شکایات ومسائل کو نہ صرف توجہ دی بلکہ حل کیا اور ایک خطبہ فرمایا جس میں تمام وضاحتیں فرما کر انصار کو مطمئن کیا۔[17]

مختصر یہ کہ عہد نبوی میں لوگوں کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی تھی۔ البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ لوگ اعتراض و تنقید کرنے میں بے لگام نہ تھے بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے اس فیصلے کی نوعیت کیا ہے۔ جیسے غزوہ بدر ۲ ہجری کے موقع پر آپ ﷺ نے پڑاوء ڈالنے کے لئے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا، لیکن بعد میں حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر دوسری جگہ کا انتخاب فرمایا۔

عہد نبوی ﷺ میں اصولِ مشاورت کے استعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ با مقصد رائے اور نتیجہ امیر، مشورے اور اجتماعی مفاد کے لئے کسی بھی صحابی کی رائے کو حالات کی ضرورت کے پیشِ نظر اہمیت دی جاتی، اسی لئے مساوات اور اجتماعیت کا شعور سب افراد میں موجزن تھا۔

حاصلِ بحث

اسلام کے سیاسی قوانین کے مطابق صرف وہی حکومت باضابطہ ہے جو ریاست کے مسلمان شہریوں کے مشورے سے قائم ہوئی ہو۔ یہ اصول ایک اسلامی حکومت کو دیگر حکومتوں سے ممتاز و منفرد کرتا ہے۔ شوریٰ کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھ پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں حکمران، امت کے اہلِ حل و عقد سے مشورہ کرے تاکہ بحث و تمحیص کے بعد ان امور تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے جو ریاست و امت کے لئے بہتر ہو۔ سلام کے نظام سیاست کی یہ خوبی ہے کہ اس نے شوریٰ کا نظام دیا تاکہ حکمران رعایا کے مشورے سے سارے ملکی معاملات چلائے اور وہ مطلق العنان، ظالم، آمر و ڈکٹیٹر نہ بنے گویا شوریٰ کا نظام کسی بھی حکمران کو خالصتا اپنی من مانی سے حکومت کرنے سے روکتا ہے اور مشورہ کے ساتھ حکومت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے لفظ شوریٰ کا استعمال ہوا ہے اور اس اصول کو بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے، سورت شوریٰ میں ارشاد ہے: و امرھم شوریٰ بینھم۔ (اور ان کا نظام باہمی مشورے سے چلتا ہے)۔ یہ آیت ریاست کے سارے معاملات، حکمرانوں کا انتخاب، ان کی معزولی، داخلی و خارجی حکمتِ عملی، ہر نوعیت کی قانون سازی اور انھی معاملات کے لئے دین کی منشا کی تعین و تشریح، غرض تمام اجتماعی امور انجام دینے کے لئے بنیادی امور متعین کرتی ہے۔ قرآنِ کریم کی اس آیت کے اسلوب سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہیں اور اس میں کسی بھی شخص کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں، لیکنر یاست کے خالصتا دینی امور میں صرف اور صرف اہلِ ایمان سے مشورہ لیا جائے گا۔ اگر سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر اکثریت کی رائے فیصلہ کن ہو گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب ایک نبی ﷺ کو مشاورت کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ امورِ سلطنت کو باہمی مشورے سے انجام دے تو پھر تمام حکمرانوں کو تو لازما اس اصولِ مشاورت کا پابند بنایا گیا ہے۔ اصولِ

مشاورت اسلامی سیاست و حکومت میں ایک روح کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اسلامی ریاست کے پر امن قیام کے لئے ضروری ہے کہ ایک اسلامی نظامِ حکومت میں اصولِ مشاورت کو رائج کیا جائے اور اس اصول کی روشنی میں امورِ سلطنت طے کیے جائیں، تب جا کر ریاست کو استحکام نصیب ہو گا، اسلامی ریاست میں اصولِ مشاورت اتنا ہمہ گیر اور جامع ہے کہ کوئی بھی وضعی نظام سیاست اس اصول کا ہم سر نہیں۔

تجاویز:

1. مشاورت اسلامی نظامِ سیاست کا بڑا اہم وصف ہے، اور ایک مسلمان حکمران اور دیگر تمام مسلمانوں کو اس وصفِ عظیم کو ہر حال میں بر قرار رکھنا چاہیے۔
2. اسلامی ریاست کے پر امن قیام کے لئے ضروری ہے کہ ایک اسلامی نظامِ حکومت میں اصولِ مشاورت کو رائج کیا جائے اور اس اصول کی روشنی میں امورِ سلطنت طے کیے جائیں۔
3. حکومتِ وقت کو چاہیے کہ مشورہ لیتے ہوئے اس کی بیان کردہ شرائط کو سامنے رکھے اور اسلامی ریاست کی فلاح و بہبود اور استحکام کے لئے صرف اہل ایمان سے ہی مشورہ کیا جائے۔
4. کسی غیر مسلم کو اسلامی ریاست کی خالصتاً دینی و سیاسی مسائل و امور کی مشاورت ہر گز شامل نہ کیا جائے۔
5. حکمران عوام کے سامنے امورِ ریاست اور اپنے اعمال کے لئے پوری طرح ذمہ دار ہوں۔

حوالہ جات(References)

1۔ القرآن، 42:38

Al-Qurān, 38:42

2۔ القرآن، 159:3

Al-Qurān, 3:159

3۔ ترمذی، محمد بن عیسی، **الجامع**، کتاب الجہاد، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 2005)، حدیث: 3457

Tirimzī, Muhammad Bin Īsa, *Al-Jāmi'*, Kitāb ul Jihād, (Lahore: Maktaba Rehmānia, 2005), Hadīth: 3457

4۔ القرآن، 11:9

Al-Qurān, 9:11

5۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الاحکام، حدیث: 1165

Al-Bukhārī, Muhammad Bin Ismaīl, *Al-Jāmai' al-Sahīh*,, Kītab ul Ahkām, Hadīth: 1165

6۔ ابنِ اثیر، **اسد الغابہ**، (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، 1995)، 283/3

Ibn-i-Athir, *ūsad ul ghābā*,283/3

7۔ ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویہ**، (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، 1995)2، 227/2

Ibn-i-Hishām, *Al-Sīratul Nabawīyah*, (Beirūt: Dār-ul-Īhya al-Turāth al-Arabi, 1995), 227/2

8۔ القشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد، باب الغزوۃ بدر، حدیث: 1779

Al-Qushāirī, Muslim bin al-Hajjāj, *Al-Jāmi'Al-Sahi*', Kitab ul Jihād, Bāb Ghazvā Badr, Hadīth: 1779

9۔ القشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الجہاد، باب الامداد الملائکہ فی غزوہ البدر، حدیث: 1763

Al-Qushāirī, Muslim bin al-Hajjāj, *Al-Jāmi'Al-Sahi*, Kitab ul Jihād, Bāb al-Imdād al-Malāikah,fi Ghazwā al-Badr, Hadīth: 1763

10۔ ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویہ**، (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، 1995)2، 227/2

Ibn-i-Hishām, *Al-Sīratul Nabawīyah*, (Beirūt: Dār-ul-Īhya al-Turāth al-Arabi, 1995), 227/2

11۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، باب غزوۃ حدیبیہ، حدیث: 4178

Al-Bukhārī, Muhammad Bin Ismaīl, *Al-Jāmai' al-Sahīh*,, Kītab ul Mghāzī, Bāb,

Ghuzwā-i-Hudāibīah, Hadīth: 4179

۔[12] القرآن:18:48

Al-Qurān, 48:18

۔[13] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الاعتصام، باب امرھم شوریٰ بینھم، حدیث:7370

Al-Bukhārī, Muhammad Bin Ismaīl, *Al-Jāmai' al-Sahīh*,, Kītab ul Aitīsām, Bāb, Amr-o-Hum Shūrā bāinahum, Hadīth: 7370

۔[14] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الاعتصام، باب امرھم شوریٰ بینھم، حدیث:7369

Al-Bukhārī, Muhammad Bin Ismaīl, *Al-Jāmai' al-Sahīh*,, Kītab ul Aitīsām, Bāb, Amr-o-Hum Shūrā bāinahum, Hadīth: 7369

۔[15] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، (بیروت دار لاحیاء، التراث العربی، 1995)، 72/2

Abū Yoūsūf*, Kitāb-ul-Khirāj*, (Beirūt: Dār-ul-Īhya al-Turāth al-Arabi, 1995), 72/2

۔[16] ابنِ ہشام، **السیرۃ النبویہ**، 227/3

Ibn-i-Hishām, *Al-Sīratul Nabawīyah*, 227/3

۔[17] ایضاً، 142/3

Ibid, 3/142